Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities
(Bi-Annual) Trilingual: Urdu, Arabic and English
ISSN: 2707-1200 (Print) 2707-1219 (Electronic)
Home Page: http://www.arjish.com
Approved by HEC in "Y" Category
Indexed with: IRI (AIOU), Australian Islamic Library, ARI, ISI, SIS, Euro pub.
Published by the Al-Khadim Foundation which is a registered organization under the Societies Registration ACT.XXI of 1860 of Pakistan
Website: www.arjish.com
Copyright Al Khadim Foundation All Rights Reserved © 2020
This work is licensed under a
Creative Commons Attribution 4.0 International License

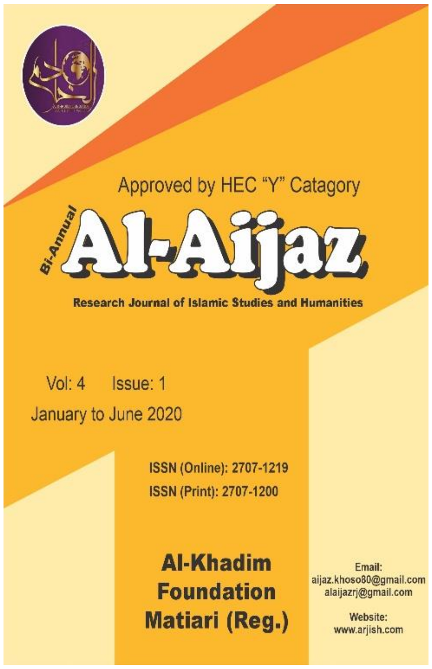

TOPIC:

The role of custom and habit in the modern jurisprudence of the modern era

AUTHORS:

1. Abdulatif, Ph.D Scholar Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.
Email: alatifsdk@gmail.com, ORCID: https://orcid.org/0000-0001-8957-2379
2. Zia ur Rehman, Associate Professor, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.
Email: zia.rehman@iub.edu.pk, ORCID: https://orcid.org/0000-0002-4580-7970

How to cite:
Latif, Abdul, and Zia ur Rehman. 2020. "U-4 The Role of Custom and Habit in the Modern Jurisprudence of the Modern Era". Al-Aijaz Research Journal of Islamic Studies & Humanities 4 (1):55-65.
https://doi.org/10.53575/u4.v4.01.55-65.
URL: http://www.arjish.com/index.php/arjish/article/view/101

QR Code

Vol: 4, No. 1 | January to June 2020 | Page: 55-65
Published online: 2020-06-30

عصر حاضر کے جدید مسائل فقہیہ میں عرف وعادت کا کردار

The role of custom and habit in the modern jurisprudence of the modern era

Abdulatif*
Zia ur Rehman**

Abstract
Islam is complete code of life. Its basic sources Quran O Sunnah provide a lot of material about life of man. It is said that Islam has been completed about 14 hundred years ago. How is Islam compatible with society whereas society is variable (changeable) with time? The answer is that solution of every problem is present in the Holy Quran and Sunnah. There are two ways of solving the problem. Firstly, primary sources (laws) creeds, worships and actions. Secondly, secondary sources, Qias, Ijtihad, Istis-habe-hal, msaleh mursla, custom, Habits and their rules and limitations.

Keywords: Custom, Jurisprudence, Quran, Sunnah, Society.

خالق کائنات نے انسان کو زندگی گزارنے کا جو ضابطہ و قانون عطا فرمایا ہے، اسے دین اسلام سے موسوم کیا ہے۔ اسلام کی بنیاد وحی الٰہی اور سنت رسول کی صورت میں محفوظ ہے۔ رسول معظم ﷺ پر سلسلہ نبوت ورسالت مکمل ہو چکا ہے، لہذا اب کوئی نبی آئے گا اور نہ نزول وحی کی گنجائش ہے، اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ اسلام تو آج سے چودہ صدیاں پہلے مکمل ہو چکا ہے، لیکن انسانی معاشرہ ہر دم متحرک اور تغیر پذیر ہے جس کے نتیجے میں ہر لمحہ جدید مسائل پیدا ہو رہے ہیں، تو ان کا حل کیسے اسلامی تعلیمات سے میسر آ سکتا ہے۔؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کتاب اللہ و سنت میں تا قیامت پیش آمدہ معاملات و مسائل کا حل موجود ہے جیسا کہ شرعی نصوص سے مترشح ہے۔ البتہ ہر پیش آنے والے مسئلے سے متعلق اسلامی تعلیمات میں موجود رہنمائی کے دو انداز ہیں۔

ایک یہ کہ واضح اور صریح الفاظ میں اس کے متعلق ہدایات دی گئی ہیں، جیسا کہ عقائد و عبادات اور بہت سے معاملات میں نظر آتا ہے۔

دوسرا یہ کی ذیلی جزئیات میں غور و فکر کر کے معاشرتی تقاضوں کے مطابق علت و حکمت کی بنیاد پر پیدا شدہ مسائل کا حل پیش کیا جائے۔ کیونکہ اسلام کے عالمگیر اور دین فطرت ہونے کی متعدد وجوہات میں سے ایک اسلام کا قانون حیات ہے، جو اس کی آفاقیت و ابدیت پر عمدہ مثال ہے۔ ساری دنیا کے اعلیٰ دماغ و دانشمند ایسے قانون حیات پیش کرنے سے عاجز و قاصر ہیں۔ کیا دنیا کی کوئی قوم یا دنیا کا کوئی مذہب بتا سکتا ہے کہ ان کے پاس ایسا قانون ہے، جو بغیر کسی بنیادی تبدیلی کے ہر وقت اور ہر دور میں، مختلف علاقوں اور ملکوں میں بسنے والے مختلف رنگ و نسل، مختلف تہذیب و تمدن، مختلف رسم و رواج کے عادی افراد کی ہر موڑ پر رہنمائی کرتا ہو؟۔ ساری دنیا میں اس خصوصیت کا حامل کوئی مذہب ہے تو وہ صرف دین اسلام ہے۔

رنگ و نسل کا اختلاف، زبان و بیان کا اختلاف، تہذیب و تمدن کا اختلاف، رسم و رواج کا اختلاف، اور رہن سہن کا اختلاف فطری امر ہے۔

* Ph.D Scholar Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.
alatifsdk@gmail.com, ORCID: 0000-0001-8957-2379
** Associate Professor, Department of Islamic Studies, The Islamia University of Bahawalpur.
zia.rehman@iub.edu.pk, ORCID: 0000-0002-4580-7970

قوموں کے عادات واطوار، اقدار وروایات ہر دور میں تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ اگر قرآن وسنت کے بعد اجماع، قیاس کے ساتھ استحسان ،مصالح مرسلہ اور قوموں کے عرف عام وعادت، رسم ورواج، طور طریقوں کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو جمود وانقباض پیدا ہوگا۔

اسلام ایک فطری دین ہے، جس میں فطرت انسانی کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے، انسانی تقاضوں کی کامل رعایت رکھی گئی ہے، انسانی عادات و اطوار، عرف ورواج کی اہمیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اسلام نے عرف وعادت کو دفعتاً نظر انداز نہیں کیا اور نہ مکمل آزاد چھوڑ دیا، بلکہ حد بندی کی، اس کے اصول وقواعد منضبط کئے اور اس کے دائرہ کار کو متعین کیا ہے۔

عرف ورواج کو بعض اوقات "نظیری قانون" یا "قانون مادی" کے مترادف جاتا قرار دیا جاتا ہے۔ یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے، جب احکام کی اساس مسلمہ مقامی رواج وعرف پر رکھی جائے اور یہ بات معروف ہے کہ بہت سے قبائل اور طبقات میں یہ غیر مدون قوانین، روایات اور رسم ورواج ہیں، جن کے ذریعہ مقامی طور پر اجتماعی زندگی کا نظام چلتا ہے۔

قرآن مجید کے نصوص قطعیہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارکہ بالخصوص عرف ورواج کو ملحوظ رکھنے کی تعلیمات کے پیش نظر فقہاء نے شریعت میں عرف ورواج کو کافی اہمیت دی اور مشہور قواعد وضوابط مرتب کئے۔

علامہ ابن عابدین شامی نے مفتی کے لئے زمانے کے عرف اور لوگوں کے حالات سے واقفیت کو لازم قرار دیا اور عرف سے واقفیت کے لئے ایک ماہر استاد فن کی شاگردی کو ضروری ٹھہرایا اور عرف کی اہمیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: "وهذا صريح فيما قلنا ان المفتي لايفتي بخلاف عرف اهل زمانه،' 'یعنی مفتی اپنے اہل زمانہ کے عرف کے خلاف فتویٰ نہیں دے گا۔ آپ نے مفتی کے لئے عوام الناس کے احوال سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے جستجو پر زور دیا اور یہ بھی فرمایا "جو مفتی اہل زمانہ سے واقف نہ ہو، وہ جاہل ہے"۔[1]

نیز فقہاء نے امام ابو یوسف کی عوام الناس کے احوال سے عملی واقفیت کی بناء ان کے قول کو معاملات میں مفتٰی بہ گردانا ہے۔ امام محمد انگریزوں کے احوال کی تفتیش کے لئے ان کے پاس جاتے اور ان کے یہاں رائج طریقہ کار سے واقفیت حاصل کیا کرتے۔ لہذا شریعت مطہرہ میں عرف ورواج کو ملحوظ رکھا گیا، لیکن جو عرف ورواج شریعت اسلامیہ سے متصادم ہو، اس کو رد کرنا لازم ہے۔

انسان کے خود ساختہ آئین کا تو انحصار ہی بڑی حد تک قضاۃ کے فیصلوں کے نظائر اور ذاتی اجتہادات کے علاوہ بڑی حد تک کسی قوم کے خاص رواج اور تعامل ہی پر ہوتا ہے۔

شریعت اسلامیہ کی اساس قرآن وحدیث پر ہے، باقی دوسرے ماخذ ضمنی اور ذیلی حیثیت رکھتے ہیں۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے نازل ہونے کا مقصد ہی چونکہ اصلاح معاشرہ اور غلط عرف ورواج کو ختم کرکے اس کی جگہ پر عرف صحیح کا قیام ہے، اس لیے اسلام نے صرف کسی چیز کے رائج ہونے کو شریعت کے لیے اساس قرار نہیں دیا، بلکہ وہ عادتیں اور عرف جو اچھے تھے ان کو بعینہ برقرار بھی رکھا اور جہاں کسی جزوی اصلاح وترمیم کی ضرورت تھی، وہاں تبدیلی بھی کی، اس لحاظ سے بعض معاصر فقہاء کا یہ کہنا کہ "عرف" کوئی مستقل شرعی دلیل نہیں ۔بلکہ وہ مصلحت، جلب منفعت اور دفع مضرت وغیرہ سے متعلق اصول شرعیہ ہی کا ایک حصہ ہے، کچھ زیادہ بے جا بات نہیں ہے۔

شریعت اسلامیہ کی سب سے بڑی خصوصیت حیات انسانی کے مسائل کی بابت عدل اور اعتدال ہے۔اس میں ایک طرف توتا قیامت انسانیت کے لیے ہدایت ور ہنمائی کے دائمی اصول موجود ہیں، جبکہ دوسری جانب، تعقل،تدبر و تفکر اور اجتہاد کے اسلامی اصولوں کے مطابق اس میں ہر زمانے کے تقاضوں اور انسانی ضرورتوں کو پورا کرنے کی صلاحیت بھی موجود ہے۔انسانی زندگی مسلسل رواں دواں عمل کا نام ہے اس میں ضروریات کے ساتھ جدید مسائل پیش آتے رہتے ہیں، شریعت اسلامیہ کے اصول و قوانین میں یہ صلاحیت موجود ہے کہ ہر پیش آمدہ مسئلے میں رہنمائی کرسکیں۔اسی طرح شریعت اسلامیہ نے عرف ورواج، عموم بلوی اور تعامل بین الناس کو ایک مستقل ماخذ قرار دیا ہے تاکہ تغیر زمانہ کے ساتھ پیش آمدہ مسائل کا حل اسلامی اصولوں کے مطابق پیش کیا جائے ، ملکی قانون سازی میں معاشرے کے عرف ورواج (Customs) کی اہمیت دنیا کے تمام قدیم وجدید قوانین میں مسلم ہے اور فقہ اسلامی میں بھی اسے ایک مستقل قانونی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔

اور یہ امر یقینی ہے کہ شریعت اسلامیہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کے متعلق رہنمائی کا ایک کامل نظام ہے، یہ نظام انسانی حیات کے لیے راہ ایمان کی نقشہ گری اور عقائد سے متعلقہ اصولوں کی وضاحت کرتا ہے۔یہ نظام خدا تعالیٰ کے ساتھ انسانی روابط کو مضبوط و مستحکم کرتا ہے،اور انسان کو نفس کی پاکیزگی کا حکم دیتا ہے،شریعت اسلامیہ میں ایک ابدی شریعت ہونے کے ساتھ ساتھ انسان کو ایسے امور سرانجام دینے کا مکلف نہیں بنایا گیا، جن میں حرج اور تنگی لازم لائے،اگر کسی انسان کو مشقت و تنگی کی کیفیت میں مبتلا ہونے کا خدشہ نظر آرہا ہو،تو شریعت میں رفع حرج اور دفع مضرت کے ایسے اصول وضع کیے گئے ہیں، انسان جن کی بناء پر سہولت سے تکلیفی احکام کو سرانجام دینے کے قابل ہوسکے۔[2]

عصر حاضر میں مسلم ممالک میں نفاذ شریعت کی جو کوششیں جاری ہیں،وہاں ایک سوال بڑی سنجیدگی سے سامنے آرہا ہے،کہ جن سیاسی، معاشی، معاشرتی مسائل سے متعلق قرآن وسنت کی صریح نصوص موجود ہیں لیکن فی زمانہ ان پر عمل میں دشواریاں لاحق ہیں ان کو بعینہ تسلیم کیا جائے یا مصالح عامہ اور زمانہ کے عرف وعادت کے لحاظ سے ان میں ترمیم و تخصیص کی جائے،اس سلسلے میں انٹرسٹ ،انشورنس، تحدید نسل، وراثت، نکاح وطلاق اور میڈیکل سے متعلق بعض مسائل بحث و تمحیص کا موضوع بنے ہوئے ہیں۔

شریعت اسلامیہ کے دو بنیادی ماخذ ہیں، 1۔قرآن۔2۔حدیث۔باقی سب ذیلی ماخذ ہیں 1۔اجماع،2۔قیاس،3۔استحسان 4۔استصحاب حال،5۔مصالح مرسلہ،6۔اور عرف عادت۔وغیرہ۔

عرف وعادت کا مفہوم

العرف عین پر پیش کے ساتھ "معروف چیز"2:العرف، عین پر زبر کے ساتھ "خوشبو"3:العرف، عین کے زیر کے ساتھ "صبر "العرف:

"كل ما عرفته النفوس مما لا ترده الشريعة"[3]

"ہر اچھی چیز جس کو انسانی نفوس پہچانیں اور شریعت اس کی تردید نہ کرے"

دنیا کے اکثریتی مسلم آبادی میں جو امر معروف و مروج ہو جائے وہ عرف عام ہے اور جو امر کسی خاص شہر، علاقہ یا طبقہ تک محدود ہو وہ عرف خاص ہے۔ نیز ہر وہ عرف و رواج جو شریعت کی نص یا مقصد و مصلحت معتبرہ سے متصادم ہو وہ فاسد قرار پائے گا۔ جیسے مروجہ جہیز یا نقدر قم کا مطالبہ کرنا، لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا یا گروی رکھی ہوئی چیزوں سے فائدہ اٹھانا وغیرہ۔

العادة :كل ما اعتيد حتى صار يفعل من غير جهد. والحالة تتكرر على نهج واحد ،كعادة الحيض في المرأة .(ج) عاد وعادات وعوائد[4]۔ عادت: ہر وہ امر جس کو بجالانا لوگوں کی طبیعت ثانیہ بن جائے، حتیٰ کہ وہ کام بغیر تکلف و مشقت کے انجام دیا جانے لگے، یا عادت اس کیفیت کا نام ہے جو ایک ہی نہج پر بار بار صادر ہو، جیسے عورت کے لیے حیض کی عادت۔

عرف ادلہ شرعیہ کی روشنی میں

قرآن مجید میں لفظ عرف اور معروف کا استعمال اڑتیس مرتبہ ہوا یہ آیت 'خذ العفو وأمر بالعرف"[5] فلسفہ خلاق کی تعلیم کے لیے نازل ہوئی ہے، ایک حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول کے لیے التزام معافی کا حکم دیا یعنی لوگوں کے اخلاق و عادات سے درگزر کرنے کو فرمایا۔

آپ ﷺ کا فرمان: من ابتاع طعاما فلايبعه حتىٰ يقبضه" جناب نبی کریم ﷺ نے قبضہ کی صورت متعین نہیں فرمائی، اس لیے کہ لوگوں کی عادات کے مطابق قبضہ متفاوت ہوتا ہے، گویا شارع نے عرف و عادت پر قبضہ کو موقوف کرکے عرف کو معتبر قرار دیا ہے۔ (عرف وعادت، ایفاء پبلشر، ص320)

حضرت ہندہ زوجہ ابو سفیان نے رسول اللہ سے شکایت کی۔ کہ ابو سفیان بخیل آدمی ہیں۔ کیا مجھے گناہ ہوگا؟ فرمایا" «خذي أنت وبنوك ما يكفيك بالمعروف»[6] کہ تو اور تیرے بیٹے ان کے مال میں سے اتنا لے لیں، جو تمہیں رواج کے مطابق کافی ہو جائے" یہاں بھی شارع نے عرف کا اعتبار کیا ہے۔

ابو حنیفہؒ نے شہد کی مکھیوں اور ریشمی کیڑوں کی خرید و فروخت کو دیگر حشرات الارض کی طرح منع قرار دیا ہے۔ اور اسے مال تسلیم نہیں کیا، لیکن امام محمدؒ نے عرف کی وجہ سے اسکی اجازت دی ہے۔[7] "ما يتعارفون بينهم فى البيوع----،،وسننتهم على نيتهم و مذاهبهم المشهوره"[8]

امام بخاریؒ نے شہروں میں معیشت کے رائج عرف کا اعتبار کرتے ہوئے کتاب البیوع میں باب قائم کیا ہے۔

عرف و عادت علامہ ابن عابدین الشامیؒ کی نظر میں (1198ہجری تا1252ہجری، دمشق)

ممتاز حنفی عالم ابن عابدین شامی نے "نشر العرف فی بناء بعض الاحکام علی العرف" میں عرف و رواج اور تعامل بین الناس کو شریعت اسلامی کا ذیلی ماخذ قرار دیا اور "الدر المختار" میں بہت سے مسائل قلمبند کیے ہیں، جو عصر حاضر کے علماء کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

فقہاء شوافع کے نزدیک عرف کا اعتبار بمقابلہ حنفیہ اور مالکیہ کے کسی قدر کم ہے۔ اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ شوافع عرف کو کوئی اہمیت

دیتے ہی نہیں۔ بلکہ شیخ الاسلام حافظ عزالدین بن عبدالسلام نے باضابطہ عرف وعادت کے معتبر اور احکام میں مؤثر ہونے پر اس عنوان سے الگ فصل قائم کی ہے۔[9]

في تغيير الفتوى ، واختلافها بحسب تغير الأزمنة والأمكنة والأحوال والنيات والعوائد الشريعة مبنية على مصالح العباد۔۔ فقہ حنبلی کے عالم حافظ ابن قیم جوزیؒ نے زمان وحالات اور علاقہ وعادات کے تغیر کی وجہ سے فتوی میں تبدیلی پر ایک مستقل اور طویل فصل قائم کی ہے۔ جس میں زمان ومکان، احوال ومقاصد اور عرف وعادت میں تغیر کی وجہ سے فتاوی میں تغیر اور اختلاف کو ذکر کیا ہے۔

شریعت اسلامیہ کے احکام تمام تر عدل، رحمت ، مصلحت اور حکمت پر مبنی ہیں۔ لہذا جب کوئی بات عدل کی بجائے ظلم ،اصلاح کی بجائے فساد، اور حکمت کی بجائے خلاف حکمت ہو۔ تو اسے تاویلاً احکام شریعت میں جگہ دی جائے گی، تاکہ الدین یسر کی کیفیت ظاہر ہو۔[10]

عرف کے شرعی لحاظ سے معتبر اور غیر معتبر ہونے کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں۔

1۔ عرف صحیح: وہ عرف ہے جو نص شرعی سے متصادم نہ ہو، یا شریعت فی الجملہ اس کے معتبر ہونے کی شہادت دے۔ یہ عرف معتبر ہے، کیونکہ یہ اصول شرعیہ کا ایک ماخذ ہے۔[11]

2۔ عرف فاسد: وہ عرف ہے جس کو لوگ پہچانتے ہوں (یعنی اس کا وہ عرف بھی رہا ہو اور اس پر عمل بھی رہا ہو) لیکن وہ عرف جو نص شرعی کے مخالف اور قواعد شرعیہ سے متصادم ہو۔ جیسے سود کھانے یا شراب پینے کا عرف۔ عرف فاسد کا کوئی اعتبار نہیں اور اس پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔[12]

اسلام نے بندوں کے مفادات, مصالح اور ضروریات کی مکمل رعایت رکھی ہے، اس لیے مقاصد شریعت میں رفع حرج، دفع ضرر اور مصلحت عامہ کو نمایاں مقام حاصل ہے ،فقہانے ان اصول وضوابط کی روشنی میں امت کی ضرورتوں کا دائرہ کار متعین کرتے ہوئے ان کا حل پیش کرنے اور دین، نفس، عقل، مال، اور نسل کی حفاظت ورعایت رکھنے کے لیے ہر پہلو پر غور وخوض کیا اور اپنے اجتہادات وآراء پیش کیں۔

جدید مسائل میں عرف وعادت سے استنباط

شریعت اسلامیہ ایک طرف دائمی، ابدی اور رواں دواں شریعت ہے، اور دوسری جانب اسلامی شریعت نے احکام وقوانین ایسے وضع کیے ہیں، جو زندگی کے مختلف پہلوؤں سے متعلق خدا تعالی کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں، یہ احکام وقوانین فکر واعتقاد، اخلاق وکردار، معاملات زندگی کے ہر شعبہ کو محیط ہیں۔ چنانچہ مرور زمانہ کے ساتھ نت نئے پیش آمدہ مسائل کا حل بڑے احسن انداز سے شریعت نے پیش کیا ہے۔

شریعت سے متصادم عرف وعادت کی مثال

صورت مسئلہ یہ ہے کہ "منگیتر سے ملاقات کرنا، اس سے ٹیلیفون پر بات کرنا، اور اس کے ساتھ گھومنے پھرنے کا رواج ہے کیا یہ عمل شرعاً جائز ہے یا نہیں "سوال کے مطابق "ہمارے معاشرے میں یہ رواج عام ہے اس کو تو کوئی بھی برا نہیں سمجھتا"؟

اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح سے پہلے منگیتر اجنبی ہے لہذا نکاح سے پہلے منگیتر کا حکم بھی وہی ہوگا جو غیر مرد کا ہے کہ اس کا اس کے ساتھ اختلاط

جائز نہیں۔اور سوال کے مطابق "یہ تو ہمارے معاشرے میں عام رواج ہوتا چلا جارہا ہے، کوئی برا نہیں سمجھتا" اول تو مسلم نہیں۔کیونکہ کہ یہ تو شریف معاشرے میں نہایت برا سمجھا جاتا ہے۔علاوہ ازیں معاشرے میں کسی چیز کا رواج ہو جانا کوئی دلیل نہیں، ایسا غلط رواج جو شریعت کے خلاف ہو، خود اصلاح کے لائق ہے۔ہمارے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں لڑکیاں غیر مردوں کے ساتھ آزاد گھومتی پھرتی ہیں، کیا اسکو جائز کہا جائے؟[13]

عرف تجاری سے متعلقہ جدید مسائل:

انسانی ارتقا نے جو جدید سہولیات مہیا کی ہیں، ان سے مستفید ہونا بھی عرف وعادت میں شامل ہے۔چنانچہ رویت ہلال میں جدید مشینی آلات، جرائم کے اثبات میں تربیت یافتہ کتوں اور انگلیوں کے نشانات (Finger Prints)، اور قتل، ڈاکہ زنی وزنا جیسے دیگر مقدمات کی تفتیش و تحقیق میں پوسٹ مارٹم، ڈی این اے ٹیسٹ اور طبّی معائنے کی دوسری صورتوں سے مدد لینا اور ان پر بھروسہ کرنا بالکل درست ہوگا۔

اس نقطہ نظر سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فقہ اسلامی جدید پیش آمدہ مسائل کے حل کے لیے جامع، مربوط، منظم اور منضبط (Coherent) اصول وضوابط رکھتی ہے۔اس ضمن میں فقہا کے متعین کردہ قواعد وضوابط مضبوط علمی وعقلی بنیاد پر مبنی ہیں اور چند جزوی و فروعی اختلافات سے قطع نظر، فقہاء کے درمیان ہمیشہ تسلیم شدہ رہے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی بنیاد خود قرآن مجید، سنت رسول ﷺ اور فقہا صحابہ کے اختلافات واجتہادات پر قائم ہے۔ان قواعد کی جامعیت وافادیت عقلی تتبع واستقرا کے لحاظ سے بھی بالکل حتمی ہے اور ان چودہ سو سال میں ان کے عملی استعمال نے بھی واضح کر دیا ہے کہ یہ قیامت تک انسانی زندگی کو پیش آنے والے ہر مسئلے کا سامنا کرنے اور ہر قسم کے مسائل کے حوالے سے دین کا مقصد ومنشاء متعین کرنے کے لیے کافی وشافی ہے۔

حقوق عرفیہ:

فقہا کے نزدیک حقوق عرفیہ سے مراد وہ حقوق جو کسی نص سے ثابت نہیں، لیکن کسی خاص عرف، تعامل بین الناس یا ماحول میں تسلیم کیے جاتے ہیں۔چونکہ ان کے ثابت ہونے کا مدار عرف پر ہے، اس لیے تغیر زمان سے یہ مختلف بھی ہو سکتے ہیں۔حقوق عرفیہ کی چند نت نئی صورتیں جو عصر حاضر میں رائج ہیں اور جنھیں اہل علم نے تسلیم کیا ہے، حسب ذیل ہیں:

تجارتی عرف کی مثالیں اور ان کے احکام: (Examples of Customarily trade and rulings) مکانوں اور دکانوں کی پگڑی /Houses and shops advance

کرایہ داری کے مروج طریقوں میں جائیداد کا مالک کرایہ دار سے کرایہ کی رقم کے علاوہ ایک متعین رقم بصورت ایڈوانس الگ سے وصول کرتا ہے جس کا مقصد کرایہ دار کی طرف سے جائیداد کی حفاظت اور وقت متعین پر جگہ خالی کرنے کی ضمانت حاصل کرنا ہوتا ہے۔اہل علم اس صورت کو صحیح تسلیم کیا ہے۔

اس ایڈوانس رقم کے بارے میں اصل حکم عدم جواز کا ہے کیونکہ یا تو "رشوت" ہے "یا حق مجرد" کا بدل ہے۔لیکن بعض فقہا نے اس کے جواز

کا فتویٰ دیا ہے سب سے پہلے وہ فقیہ جن کی طرف بدل خلو "پگڑی" کے جواز کی بات منسوب ہے دسویں صدی ہجری کے مالکی فقیہ علامہ ناصر الدین لقانیؒ ہیں، لیکن اس کے بعد اکثر علماء نے اس مسئلہ میں ان کی اتباع میں جواز کا فتویٰ دیا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدینؒ لکھتے ہیں:

"وقد اشتهر نسبة مسألة الخلو إلى مذهب الإمام مالك .....وإنما فيها فتيا للعلامة ناصر الدين اللقاني المالكي بناها على العرف وخرجها عليه--."[14]

خلو کی نسبت عام طور پر امام مالکؒ کے مسلک کی طرف جاتی ہے، حالانکہ اس کے متعلق امام مالک سے کوئی قول منقول نہیں ہے، اور نہ ہی ان کے کسی شاگرد سے کوئی روایت ہے، البتہ علامہ قرانی مالکیؒ تحریر کرتے ہیں، فقہاء نے اس مسئلے میں کلام نہیں کیا ہے۔ لیکن اس مسئلے میں علامہ ناصر الدین لقانیؒ کا ایک فتویٰ منقول ہے، جس کی بناء عرف و تعامل پر رکھی گئی ہے، لہذا اصحاب ترجیح میں سے ہونے کی وجہ سے معاصر علماء نے ان کے اس فتویٰ کو قبول کیا ہے۔

حق تالیف وایجاد و حق طباعت: جدید قوانین وضوابط کی روشنی میں کسی کتاب کے مصنف یا ناشر کا یہ حق تسلیم کیا گیا ہے کہ ان کی اجازت کے بغیر یا بغیر معاہدہ کیے کوئی دوسرا فرد یا ادارہ اس کتاب کی اشاعت نہیں کر سکتا۔ اسی طرح بعض مخصوص ایجادات کے موجدین کی اجازت کے بغیر ان کی تیاری اور فروخت نہیں کی جاسکتی۔

رجسٹرڈ کمپنیوں کے نام اور ٹریڈ مارک (تجارتی علامت):

رجسٹرڈ کمپنیاں مختلف کاروباری نوعیت کے مفاد کے لیے اپنے مخصوص تجارتی نام اور trademark رجسٹری کرا کے اپنی تیار شدہ اشیاء کی تشہیر کرتی ہیں اور اس طرح صارفین میں اس خاص نام کو شہرت عامہ حاصل ہو جاتی ہے۔ جدید اصول وضوابط کی روشنی میں دیگر کمپنیوں کو اس مخصوص نام یا ٹریڈ مارک کے ساتھ اشیاء بنانے یا بیچنے کی اجازت نہیں ہے، کیونکہ اس سے رجسٹر کمپنی کو تجارتی لحاظ سے نقصان کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور لوگوں کے ساتھ بھی دھوکا ہوتا ہے۔

تجارتی لائسنس كي خريد وفروخت (Buying and selling trade license) تجارتی علامت کا جو حکم ماقبل میں بیان کیا ہے کہ ان دونوں کی بیع کا عوض لینا۔۔۔ بالکل اسی حکم کا اطلاق تجارتی لائسنس پر بھی ہو گا۔ اس لائسنس کی رائج صورت یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں اکثر ممالک میں حکومت کے جاری کردہ لائسنس کے بغیر درآمدات یا برآمدات کی اجازت نہیں۔ بظاہر یہ امر تاجروں کے لیے ایک طرح کی پابندی ہے جسے دین اسلام میں ضرورت شدیدہ کے بغیر ناپسند قرار دیا گیا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اکثر ممالک میں یہی طریقہ کار رائج ہے۔ عصر حاضر کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ تجارتی نقطہ نظر سے لائسنس کی بڑی اہمیت اور افادیت ہے، اس لیے کہ تمام بڑی نوعیت کے کاروبار کا دارومدار لائسنس پر ہی ہوتا ہے، لائسنس کے بغیر کاروبار کرنا قانونی نقطہ نظر سے ممنوع ہوتا ہے، مزید لائسنس کو حاصل کرنے کے لیے کافی کاوش کرنا پڑتی ہے۔ جس میں وقت اور مال خرچ ہوتا ہے۔ اگر وہ لائسنس ایسے کاروبار کا ہے، جو شرعاً جائز ہے، اور جس کے قانوناً بیچنے اور خریدنے پر کوئی پابندی نہیں، تو اس کی خرید وفروخت جائز ہے۔ فقہی کتب میں بعض ایسی مثالیں موجود ہیں

جن میں اس طرح کے حقوق کی قیمت لینے کا جواز ہے، مثلاً وظائف اور بعض دوسرے حقوق سے دستبردار ہونے کی قیمت لینے کو فقہاء نے جائز قرار دیا ہے، (الدر المختار مع رد المحتار 33/7 کتاب البیوع، بیروت) اس لیے مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ تجارتی لائسنس کا کاروبار بھی جائز ہو گا۔[15]

قسطوں پر اشیاء کی خرید وفروخت:

(In order to take on household items installments)

مروجہ مسائل۔۔۔ گاڑیاں، کھاد، اسپرے، اور دیگر گھریلو اشیاء کو قسطوں پر لینے کا حکم:

موجودہ دور میں قسطوں پر خرید وفروخت کا عام رواج وتعامل ہے، کیونکہ متوسط طبقے سے وابستہ لوگ بیک وقت اشیاء کی پوری قیمت برداشت نہیں کر پاتے، تو ان کو مجبوراً قسطوں پر اشیاء موجودہ بازاری قیمت سے قدرے زیادہ مہنگے داموں خریدنا پڑتی ہیں۔

قسطوں پر بیع کا مطلب وہ عقد ہے جس میں بائع اپنا سامان خریدار کو اسی وقت دیدے، لیکن خریدار اس چیز کی قیمت فوراً ادا نہ کرے۔ بلکہ وہ متعین قسطوں کے مطابق اس کی قیمت ادا کرے۔ لہذا جس بیع میں مذکورہ صورت پائی جائے اس کو "بیع بالتقسیط" کہا جاتا ہے، چاہے اس چیز کی طے شدہ قیمت اس کی بازاری قیمت کے برابر ہو، کم یا زیادہ۔ لیکن "بیع بالتقسیط" میں عام معمول یہ ہے کہ اس میں چیز کی قیمت بازاری قیمت سے زیادہ مقرر کی جاتی ہے، لہذا اگر خریدار اس چیز کو نقد خریدنا چاہے تو وہ اس چیز کو مقررہ قیمت سے کم قیمت پر بازار سے خرید سکتا ہے، لیکن اگر خریدار اس چیز کو ادھار خریدنا چاہے گا تو بیچنے والا اس قیمت پر اس کو بیچنے پر تیار ہو گا جب اس کو نقد کے مقابلے میں زیادہ قیمت موصول ہو۔ اس لیے عام طور پر "" "بیع بالتقسیط" میں نقد بیع کے عوض زیادہ قیمت طے کی جاتی ہے۔

مدت کے مقابلے پر قیمت زیادہ کرنا: (Increase in value according to period)

اب یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کے مقابلے میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟

"البيع نحو أن يبيع الرجل شيئا ويستثني بعضه، فإن كان الذي استثناه معلوما نحو أن يستثني واحدة من الأشجار أو منزلا من المنازل أو موضعا معلوما من الأرض صح بالاتفاق"[16]

اس مسئلہ پر قدیم اور جدید دونوں قسم کے فقہاء نے بحث کی ہے، چنانچہ بعض علماء اس زیادتی کو ناجائز کہتے ہیں، اس لیے کہ قیمت کی یہ زیادتی "مدت" کے بدلے میں ہے، اور جو ثمن "مدت" کے عوض میں دیا جائے، وہ سود ہے، یا کم از کم سود کے مشابہ ضرور ہے۔ یہ زین العابدین علی بن الحسین، الناصر، المصور باللہ اور ہادویہ کا مسلک ہے۔ اور علامہ شوکانیؒ نے ان فقہاء کا یہی مسلک نقل فرمایا ہے۔

لیکن ائمہ اربعہ اور جمہور فقہا اور محدثین کے نزدیک ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلے میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے، بشرطیکہ بائع اور مشتری معاملہ کرتے وقت بیع کے نقد یا ادھار ہونے کا حتمی فیصلہ کر کے مجلس عقد سے الگ ہوں، تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہو گا، لیکن اگر کسی شق پر اتفاق کیے بغیر مجلس عقد سے جدا ہو گئے، تو یہ بیع جائز نہ ہو گی۔

یہی منبع اور منشاء ہے اس حدیث کا جس کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے،

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعةٍ.--"- [17]

ترجمہ: "رسول اللہ ﷺ نے ایک بیع میں دو بیع کرنے سے منع فرمایا، بعض معاصر علماء نے اس حدیث کی یہ وضاحت کی ہے کہ "بیعتین فی بیع" سے مراد یہ ہے کہ بیچنے والا خریدار سے یہ کہے "کہ میں یہ دکان گاڑی تم کو نقد پندرہ لاکھ میں بیچتا ہوں، اور ادھار بیس لاکھ میں فروخت کرتا ہوں، اور پھر دو معاملہ کرنے والے نقد یا ادھار کسی ایک بات پر متفق ہوئے بغیر الگ ہو گئے، تو یہ عقد شرعاً منعقد نہ ہو گا، اور اگر اسی مجلس میں کوئی ایک شق پر اتفاق کر کے مجلس سے اٹھے۔ تو یہ بیع جائز ہو گا۔

امام ترمذیؒ کے قول کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ بیع کے عدم جواز کی وجہ یہ ہے کہ عقد کے وقت کسی ایک صورت کے متعین نہ ہونے سے ثمن دو حالتوں میں متردد ہو جائے گا اور یہ تردد جہالت ثمن کو لازم ہو گا، جس کی وجہ سے بیع ناجائز ہو گی، لیکن مدت کے عوض ثمن کی زیادتی عدم جواز کا سبب نہیں، لہذا اگر معاملہ متعین کرتے وقت ہی کسی ایک حالت کی تعیین کر کے قیمت کی جہالت کو ختم کر دیا جائے تو پھر اس بیع کے جواز میں شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں رہے گی۔

جمہور فقہاء اور علمائے معاصرین کا مسلک بھی وہی ہے جو امام ترمذیؒ نے بیان فرمایا ہے، اور دلائل سے بھی یہی راجح ہے۔ اس لیے قرآن و حدیث میں اس کے جائز نہ ہونے پر کوئی صراحت نہیں، اور اس بیع میں ثمن کی جو زیادتی پائی جا رہی ہے، اس پر ربا کی تعریف بھی منطبق نہیں آتی۔ کیونکہ وہ قرض نہیں ہے اور نہ ہی یہ اموال ربویہ کی بیع ہو رہی ہے، بلکہ یہ ایک عام بیع ہے، اور عام بیع میں بائع کو شرعاً مکمل اختیار ہے کہ وہ اپنی چیز جتنی قیمت پر چاہے، فروخت کرے، اور بائع کے لیے شرعاً ضروری نہیں ہے کہ اپنی چیز ہمیشہ بازاری قیمت پر ہی فروخت کرے، بلکہ حالات کے مختلف ہونے سے قیمت مختلف ہو جاتی ہے اگر کوئی شخص اپنی چیز کی قیمت ایک حالت ایک مقرر کرے اور دوسری حالت میں دوسری مقرر کرے تو شریعت اس پر کوئی پابندی عائد نہیں کرتی۔

دو قیمتوں میں سے کسی ایک کا متعین کرنا شرط ہے (condition to specify one value) اس شرط کا ذکر پہلے ضمناً کیا گیا ہے کہ بائع کو اس بات کی اجازت ہے کہ بھاؤ تاؤ کے وقت مختلف قیمتیں ذکر کرے مثلاً یہ کہے کہ نقد آٹھ روپے میں، اور ادھار دس روپے میں فروخت کروں گا۔ اب سوال یہ ہے کیا اس کے لیے یہ صورت جائز ہے، کہ مختلف مدتوں کے تقابل کی صورت میں مختلف قیمتیں متعین کرے؟ مثلاً وہ کہے ایک ماہ کے ادھار پر پچاس روپے میں، اور دو ماہ کے ادھار پر ساٹھ روپے میں اور تین ماہ کے ادھار پر ستر روپے میں بیچتا ہوں، اس بارے میں فقہاء سے تو کوئی تصریح منقول نہیں، البتہ فقہا کے سابقہ اقوال پر قیاس کرنے سے پتا چلتا ہے کہ یہ صورت بھی جائز ہے۔ اس لیے کہ جب نقد اور ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں تفاوت جائز ہے تو پھر مدتوں کے اختلاف کی بنا پر قیمتوں میں بھی فرق جائز ہے اس لیے ان دونوں صورتوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

البتہ مختلف قیمتوں کا ذکر صرف لین دین کے وقت ہی جائز ہے لیکن بیع کا معاملہ صرف اس وقت جائز ہے جب عاقدین کے درمیان قیمت اور

مدت دونوں کی تعیین پر اتفاق ہو چکا ہو، عدم اتفاق کی صورت میں بیع جائز نہ ہو گی۔

اگر بھاؤ تاؤ کے وقت یعنی مجلس عقد میں کسی ایک شق کی تعیین کے بغیر عاقدین اس خیال سے جدا ہو گئے کہ مشتری ان مذکورہ تینوں شقوں میں سے کسی ایک شق کو بعد میں اپنے حالات کے مطابق اختیار کر لے گا، تو یہ بیع بالاجماع حرام ہے، اور عاقدین پر واجب ہے کہ اس عقد کو فسخ کریں اور دوبارہ از سر نو عقد کریں، جس میں کسی ایک شق کو وضاحت کے ساتھ متعین کریں۔[18]

خلاصہ کلام

تفصیلات مذکورہ سے واضح ہوا کہ شریعت اسلامیہ کو حالات زمانہ سے ہم آہنگ (Up-to-date) رکھنے کے لیے شریعت کے ذیلی ماخذ استحسان و مصالح مرسلہ وغیرہ کے ساتھ ساتھ خاص طور پر بدلتے ہوئے عرف وعادت کے تقاضوں کا لحاظ ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مسلم معاشرے اور سماجی نظام کے عرف پر ہی اکتفاء نہ کر کے غیر مسلم دنیا کے معقول اور مصلحت پر مبنی عرف کو بلا تکلف تسلیم کرنا اور شریعت کا حصہ بنانا چاہیے، دین اسلام کے سیاست سے کٹ جانے اور عرصہ دراز سے دنیا کے معاملات سے شریعت کے بڑی حد تک غیر متعلق ہو جانے سے اس کا معاملہ یوں بھی انقباض و جمود اور تعطل کا شکار ہے۔ اس کے لیے عین دین و شریعت کے مفاد کا تقاضا ہے کہ معاملات دنیا اور نظام حکومت و سیاست کے پھیلے ہوئے دائرے سے متعلق صالح اور مبنی بر مصلحت عرف وعادت کو دین کا حصہ قرار دیا جائے، اور اس کے ذریعے اللہ کے اس آخری دین کو دین رحمت کی صورت میں سامنے لایا جائے، جو کہ حقیقت ہے۔

عرف وعادت دین اسلام کا ایک اہم قانونی ماخذ ہے جو اسلامی قانون میں ثبات و دوام کے ساتھ ساتھ ایک خاص قسم کی لچک پیدا کرتا ہے اور اس کو بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرتا ہے، معاملات میں بے شمار مسائل ہیں جو اسی سے متعلق ہیں، عرف کے ذریعے شریعت کی بہت سی تعبیرات کے مصداق متعین کرنے میں معاونت لی جا سکتی ہے، اور اس کے ذریعے متکلم کا مقصود معلوم کیا جاتا ہے۔

References

1. Al Shami, Ibn Abideen, Sarh Uqood rasam al mufti, taba awal 2009, Maktabat al bushra, Karachi, paij: 79.
2. Urf wa aadat, Islami Fiqah Academy India, Efai publications, New Dehli, 2013, paij: 15.
3. Al Indilasi, Abu Muhammad Abdul Haq bin Ghaib bin Atiyat al Indilasi, Al Muharir al wajeez fi tafseer al kitab al aziz, paij: 81, 337.
4. Al Afreeqi, Ibn Manzoor, Alamat Muhammad bin Mukaram, Lisan al Arab, 630/711 H.A, Dar ul Ahyah al Tasirat al Arabi, bairut 1999/1419, 155/9.
5. Surat Al Aairaf: 199.
6. Al Bukhari, Abu Abdullah Muhammad bin Ismail, Sahi Bukhari, 79/3.
7. Al Murghenani, Burhanuddin abi al Hassan Ali bin abi Bakar al Farghani, Hidayah, Maktaba Rehmaniya, Iqra Centre Ghazni Street Urdu Bazar Lahore, 38/3.
8. Al Bukhari, Abu Abdullah Muhammad ibn Ismail, Sahi Bukhari, 79/3.
9. Qawaid al Ahkam 126, Bahawala Jadeed Fiqahi Tahqeeqat, Islami Fiqah Academy India, Efai Publications, 2013, paij: 90.
10. Allama, Ibn Qeem al Juzeeya, Al Mumlikat al Saudia, ishayat awal, rajab 1423 hijri, 41/1.

11. Al Imam, Ahmed bin Humbal, Usool Mazhab, paij: 526, Saan Nidard.
12. Ibid.
13. Marqaat al Mafateeh Sarh Muskhqat al Masabeeh, Kitab al Nikah, juld: 3, paij: 409, Mumbai.
14. Ibn Abideen, Muhammad Ameen ibn Umar bin Abdul Aziz Abideen al Damishqi al Hanafi (Mutawafi: 125 Hijri) Rad al Mukhtar Ali al Dar al Mukhtar, 1421/1992, 521/4.
15. Mufti Muhammad Taqi Usmani, Fiqahi Maqalat (Memon Islamic Publications, Karachi) January 1999, 221/1.
16. Al Shookani (R.A), Muhammad bin Ali bin Muhammad, Neel al Witar, Darul Hadith, Egypt, 1993, 180/5.
17. Al Tirmizi, Abu Essa Saanan Tirmizi, Kitab al Biyoo (Darul Maghrib al Islami, Bairut) 1998, 524/2.
18. Mufti Muhammad Taqi Usmani, Fiqahi Maqalat (Memon Islamic Publications, Karachi) January 1999, 85/1.